© rasailojaraid.com

دینی اور عصری تعلیم کا بنیادی فرق

(ڈاکٹر سید سلمان ندوی کا فکر انگیز خطاب)

مولانا محمد ازہر
مدیر ماہنامہ الخیر ملتان

سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین علامہ ڈاکٹر سید سلمان ندوی حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی دعوت پر 15 محرم الحرام کو ملک کی ممتاز دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے اور جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر حاضرین کو اپنے پراثر اور فکر انگیز خطاب سے مستفید فرمایا۔ آپ کا یہ خطاب عصر اور مغرب کے درمیان مختصر وقت میں ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مختصر خطاب سے اندازہ ہوا کہ اہل علم کے بات کرنے کا انداز کیا ہوتا ہے۔ آپ نے الفاظ وعبارات کی دھوم دھام کی بجائے اہل علم کے لئے ضروری اور غور وفکر کی متقاضی باتیں نہایت واضح انداز میں ارشاد فرمائیں اور سامعین کے شور تحسین کی توقع کے بغیر مافی الضمیر کو کھل کر بیان فرمایا۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی گفتگو سے پہلے خود ان کے متعلق عرض ہے کہ آپ اس عظیم و نامور اور نابغۂ روزگار ہستی سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے نسبی وروحانی فرزند ہیں جنہیں برصغیر کے تمام اہل علم نے خراج تحسین پیش کر کے ان کے علم وفضل کا پرشکوہ الفاظ میں اعتراف کیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت سید صاحب کی ایک کتاب کے متعلق لکھا تھا: ''یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے'' اور علامہ شبلیؒ نے ندوۃ العلماء کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا، ایک سلیمان پیدا کیا، یہی کافی ہے۔''

آپؒ کے فرزند قدر بلند ڈاکٹر سلمان ندوی ''الولد سر لابیہ'' کے مصداق کامل ہیں، کثرت مطالعہ، تلاش وتحقیق اور تحصیل علم کے لئے محنت وجستجو میں والد کی ہو بہو تصویر ہیں۔ ندوۃ العلماء میں تحصیل علم کے بعد وقت کے مشاہیر اساتذہ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، شیخ خلیل عرب اور اپنے والد مرحوم سے اکتساب فیض کیا۔ 1959ء میں کراچی یونیورسٹی سے اسلامی تاریخ میں ایم اے اور پھر 1972ء میں شکاگو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ ڈربن یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے شعبہ دراسات اسلامیہ کے پروفیسر ہے۔ سیرتاً و صورتاً اپنے عظیم والد کا نمونہ ہیں۔ آج سے تقریباً بچپن برس قبل حضرت سید صاحب ؒ کے ہمراہ جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسے کے موقع پر تشریف لائے تھے۔ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے اب انہیں دیکھ کر فرمایا: "کانہ ھو، بالکل سید سلیمان ندویؒ ہیں۔" جامعہ خیر المدارس میں آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"جس نسبت کی وجہ سے مجھے یہاں حاضری اور خطاب کا موقع دیا گیا ہے، میں اس سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں، تاہم دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس نسبت کا اہل بنائیں، ہمارے مدارس کی تعلیم و تعلم کا منہج اور طریق کار اور ہے جبکہ عصری درسگاہوں کا طریق، منہج اور طلبہ و اساتذہ کا باہمی رشتہ اور نوعیت کا ہے، وہاں پر طلبہ و اساتذہ کا تعلق تجارتی نوعیت کا ہوتا ہے، طلبہ فیس ادا کرتے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس لئے اساتذہ و طلبہ میں ظاہراً اور باطناً ادب و احترام کا رشتہ قائم ہوتا، نہ ہی علوم میں برکت ہوتی ہے، نہ وہاں کی تعلیم میں آخرت کا کوئی تصور ہوتا ہے، چونکہ ان یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے، اسلامی عقائد انہیں موروثی طور پر ملے، اس لئے وہ قانونی و معاشرتی طور پر مسلمان ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فکری طور پر "مسلمان" نہیں جبکہ دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کا باہمی رشتہ محبت اور اخلاص و ایثار پر استوار ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے استاذ اور شاگرد محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں، آخرت کی زندگی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے، اس لئے ان کے علوم میں برکت ہوتی ہے۔ اساتذہ کے دلوں میں شفقت اور طلبہ کے دلوں میں احترام ہوتا ہے۔ اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ ظاہری تعلیم سے فراغت کے وقت استاذ نے طالب علم کو جو نصیحت کی، اس نے اپنی زندگی اس پر قربان کردی۔ بطور جملہ معترضہ عرض کردوں کہ والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کے لئے نازک ترین وقت فارغ التحصیل ہونے کا ہے، اس وقت وہ بہک سکتا ہے یا راہ ہدایت پر چل سکتا ہے۔ تقسیم برصغیر کے بارے میں فرماتے تھے کہ "اگر ہندوستان میں ارتداد کا ڈر ہے تو پاکستان میں الحاد کا ڈر ہے۔" آج یہ خدشات مجسم شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

آج کل بالعموم یہ سوال ہوتا ہے کہ موجودہ فضلاء کا وہ معیار نہیں جو پہلے فضلاء کا ہوتا تھا۔ اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ علم و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ جب عمل میں کوتاہی ہوگی تو اسی نسبت سے علم میں کمی واقع ہو جائے گی۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص حق تعالیٰ شانہ کی نافرمانی کے ساتھ علوم شرعیہ کا ماہر اور حقیقی عالم بن جائے۔ اصل چیز ان کو عمل میں لانا ہے۔ عالم کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جو اسے یہ یاد دلاتا ہے کہ صرف پڑھنا لکھنا کافی نہیں، دل کی دنیا سنوارنا بھی ضروری ہے، اس باطنی اصلاح کو تزکیہ کہتے ہیں۔ تزکیہ کے لئے مزکی (مرشد و مربی) کی ضرورت ہے۔ میرے والد صاحبؒ اس وقت حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی خدمت میں گئے، جب ان کی شہرت کا ستارہ بام عروج پر تھا۔ یہ ایک نادر واقعہ تھا کہ ایک عبقریٔ وقت نے جس کی علمی تصنیفی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہو، وہ روحانی تشنگی کی سیرابی کے لئے کسی گوشہ نشین شیخ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے والد صاحبؒ کے عقیدت کیشوں کو ان کے اس اقدام سے بے حد مایوسی ہوئی بلکہ اس واقعے پر شور و غل ہوا، پورا ماحول گونج اٹھا، مگر والد صاحبؒ نے اس سے کوئی اثر نہیں لیا صرف اتنا فرمایا:: ''لوگ مجھ کو کہتے تو محقق و علامہ ہیں مگر درحقیقت بے عقل جانتے نہیں۔ آخر یہ لوگ اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ اگر ان کے خیال کے مطابق میں واقعی محقق اور علامہ ہوں تو کیا بے وجہ میں نے حضرت تھانویؒ کا دامن تھاما، ان لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ میں نے اپنے اندر کوئی تو کمی پائی جس کی تکمیل کے لئے وہاں گیا۔''

جب والد صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیجئے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں، میں نے سوچا، اتنے بڑے عالم فاضل کو کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا تو میں نے کہا کہ ''سید صاحب اس راستے کا سب سے پہلا قدم اپنے آپ کو مٹا دینا ہے۔''

یہ سن کر والد صاحبؒ پر گریہ طاری ہوگیا۔ اور پھر واقعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ سے بیعت کے بعد والد صاحبؒ نے خود کو اتنا فنا کر دیا تھا کہ اس کی نظیر تصوف کی تاریخ میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ مقام فنا سے گزرنے کے بعد ''موتوا قبل ان تموتوا'' (''مرنے سے پہلے ہی مرجاؤ'') کی عملی تفسیر بن گئے تھے۔

اس وقت ہمارے کردار کی خامی اسلام کے لئے نقصان کا باعث بن رہی ہے۔ دینی مدارس کے فضلاء کا کردار اتنا بلند ہونا چاہئے کہ وہ غیر قوموں کے لئے اسلام میں داخلے کا سبب بنے۔ اس وقت المیہ یہ ہے کہ تمام اسلامی ریاستیں بحیثیت مجموعی غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ ہیں اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو شدید نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اسی طرح اصولوں پر سمجھوتے کرتے اور امت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتے تو دین ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ جن علوم کتاب و سنت کو آپ حاصل کر رہے ہیں، ان کی حلاوت، عمل، اخلاص اور تزکیہ نفس کے بغیر نصیب نہیں ہوتی اور اس کے لئے کسی مربی و مزکی کا ہونا ضروری ہے۔ مٹھائی کھانی ہو تو حلوائی کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح نفس کا تزکیہ مطلوب ہو تو کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب کے یہ ارشادات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دینی مدارس علم و عمل کے اعتبار سے جس زوال و انحطاط کا شکار ہیں، اس کے پیش نظر خدشہ ہے کہ مستقبل میں کہیں یہ صرف رسمی درسگاہیں ہی نہ رہ جائیں اور پھر ان میں اور اخلاص و روحانیت سے محروم دوسری درسگاہوں میں کوئی جوہری فرق نہ رہے۔ عصر حاضر کی سہولتوں، آسائشوں اور آلائشوں کی وجہ سے مدارس کے طلبہ و اساتذہ کا قبلہ مقصود بھی لرز رہا ہے۔ بہر حال یہ اہل مدارس کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اہل مدارس کو جانشین علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ان نصائح کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com